الأضواء ۳۸:۲۷

۲۸۔ کنز الوصول، ۸

۲۹۔ کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، ۱/۲۰۸

۳۰۔ کشف الاسرار، ۱/۲۰۸

۳۱۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۰۸

۳۲۔ اصول سرخسی، ۱/۱۸۰

۳۳۔ التوبہ ۹:۳۶

۳۴۔ النور ۲۴:۴

۳۵۔ النور ۲۴:۲

۳۶۔ ص ۳۸:۷۳

۳۷۔ کنز الوصول، ۷۳

۳۸۔ اصول سرخسی، ۱/۱۸۰

۳۹۔ شرح نور الانوار، ۱/۱۶۹، ۱۷۰

۴۰۔ تفسیر النصوص، ۱/۱۶۹، ۱۷۰

۴۱۔ کنز الوصول، ۹

۴۲۔ کشف الاسرار، ۱/۸۰

۴۳۔ اصول سرخسی، ۱/۸۱

۴۴۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۰۹

۴۵۔ اصول سرخسی، ۱/۱۸۱

۴۶۔ کشف الاسرار، ۱/۸۰-۶۸۱

۴۷۔ الاحزاب ۳۳:۵۳

۴۸۔ النور ۲۴:۴

۴۹۔ کنز الوصول، ۷۴

۵۰۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۰۹، ۲۱۰

۵۱۔ تفسیر النصوص، ۱/۱۷۵

# نص قرآنی کی تفہیم کے لیے فنی کاوشیں اور مولانا حسین علی واں بھچروی کی اصطلاحات

اِکرام الحق*

مولانا حسین علیؒ (۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۷ء- ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء) بن حافظ محمد عبداللہؒ صوبہ پنجاب کے شہر میانوالی کے ایک دور دراز دیہات واں بھچراں میں پیدا ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے خدمت قرآن مجید کا وہ کام لیا جو صدیوں میں اور وہ بھی خال خال لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ وہ بلاشبہ چودھویں صدی میں رجوع الی القرآن کی تحریک کے سرخیل تھے۔ انہیں ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی اور اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کے جلیل القدر علماء، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا مظہر نانوتویؒ اور مولانا احمد حسن کانپوریؒ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔(۱) تفسیر کی تعلیم انہوں نے مولانا مظہر نانوتویؒ سے حاصل کی مگر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن فہمی کا ذوق انہیں بارگاہ الٰہی سے براہ راست عطا ہوا تھا اور وہ ایسے فنافی القرآن ہوئے کہ اپنے دور کی نابغۂ روزگار شخصیت قرار پائے۔ دیوبند اور سہارنپور جیسے برصغیر کے مرجع خلائق دینی مدارس کے فضلاء تکمیل علوم وفنون کے بعد واں بھچراں آکر مولانا سے تفسیر پڑھا کرتے تھے۔

جہاں تک فہم قرآنِ مجید کے لیے تفسیری کاوشوں کا تعلق ہے تو مولانا کوئی پہلے مفسر نہیں، بلکہ تفسیر کی ایک طویل تاریخ ہے جو نبی کریمؐ کی ذات مقدس سے شروع ہوتی ہے اور صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور سلف مفسرینؒ سے ہوتی ہوئی دورِ حاضر تک پہنچ گئی ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ تفسیر کی تاریخ رنگا رنگ اور قسما قسم کی تالیفات سے بھرپور ہے۔ قرآنِ مجید کے اعجاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی تفسیر کی جائے تو علوم ومعارف کے سمندروں میں لیے پھرتا ہے اور جوں جوں تفسیر کی وسعتیں بڑھتی جائیں قرآنِ مجید کے معارف کا بحرِ بے کراں جواہر بے بہا سے مفسر کو مالا مال کرتا جاتا ہے۔ دوسری طرف اگر اس کی تفسیر نہ کی جائے تو نص قرآنی کا ہی یہ اعجاز ہے کہ وہ رشد وہدایت کا ایسا سامان فراہم کرتی ہے کہ طلب صادق رکھنے والا ہر شخص جوں جوں اسے پڑھتا یا سنتا ہے اس کا دل منور اور دماغ معطر ہوتا چلا جاتا ہے۔ مسلمان تو مسلمان رہے، غیر مسلم بھی طوعاً او کرھاً روزِ اول سے اس کے کمالات کے معترف رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ولید بن مغیرہ جب نبی کریمؐ سے ملاقات کر کے اپنی قوم کی طرف واپس گیا تو انہیں قرآنِ مجید کے بارے میں یوں بتایا:

"واللہ، ان لقولہ الذی یقول حلاوۃ، وان علیہ لطلاوۃ، و انہ لمثمر اعلاہ، مغدق اسفلہ، وانہ لیعلو وما یعلا، وانہ لیحطم ما تحتہ." (۲)

"اللہ کی قسم جو بات وہ [محمدؐ] کرتا ہے اس میں عجیب سی مٹھاس ہے، اس کا منظر حسین ہے، اس کا بالائی حصہ پھل دار اور زیریں حصہ سرسبز وشاداب ہے، وہ غالب آتا ہے مغلوب نہیں ہوتا اور جو کچھ اس کے نیچے

*اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان۔

آتا ہے ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ دورِ جدید کے غیر مسلم مفکرین کے کچھ اقوال نمونے کے طور پر درج کیے جاتے ہیں۔" (۳)

مشہور مستشرق آرتھر آربری (ArbryArther) کہتا ہے:

"It is a sifIlistentomyheartpulsation,whenIlistentotheQuraan recitedin to Arabic.(۴)"

جب میں عربی میں قرآن کی تلاوت سنتا ہوں تو یوں محسوس کرتا ہوں جیسے اپنے دل کی دھڑکنیں سن رہا ہوں۔

گوئیٹے (Goethe) کہتا ہے:

"The Quraanic diction is exalted, well constructed and raises astonishment. I believe, as any Moslim does, that Quraan is the book of all books and I feel that my soul is shaking inside my body, every time I read it(۵)"

قرآنی خطاب بام عروج پر ہے، اس کی ترکیب نہایت مربوط اور تاثیر دلوں کو ہلا دینے والی ہے۔ میں اس بات پر بالکل اسی طرح یقین رکھتا ہوں جیسے مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ یہ کتاب تمام کتابوں کی سردار کتاب ہے۔ میں جب بھی اسے پڑھتا ہوں میرے جسم کے اندر میرا دل جھومنے لگتا ہے۔

مستشرق وون ہیمر (HammerVone) قرآنِ مجید کے ترجمے کے مقدمے میں لکھتا ہے:

"QuraanisarevelationfromGod,itcannotbelimitedbytimeandit containsthecondensedtruth."(۶)

قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے، اسے وقت اور زمانے کی قیود کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا اور یہ تہہ در تہہ سچائی پر مشتمل ہے۔ ٹوکیو، جاپان کی خلائی رصد گاہ کے ڈائریکٹر پروفیسر یوشیو کوزان (KozanYushio) لکھتے ہیں:

"This Quraan describes the universe from the highest point of the existence ..... who says these words of Quraan, sees the whole universe and everything is exposed in front of him."(۷)

"قرآن اس کائنات کو اعلیٰ ترین تکوینی پہلو سے بیان کرتا ہے۔۔۔۔ جو شخص قرآن کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اسے ساری کائنات اپنے سامنے عیاں نظر آنے لگتی ہے۔"

عظیم مفکر مارسیل بوازار (BwazarMarsale) قرآنِ مجید کی حیران کن تاثیر کے راز کی تلاش میں کہتا ہے:

"Fromaperspectiveoftheappliedpsychology,Quraanaddressesthe humantotally.".(۸)

تطبیقی نفسیات کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو قرآن پوری انسانیت سے خطاب کرتا ہے۔

غیر مسلم مفکرین کے ہاں غیر مسلم رہتے ہوئے قرآنِ مجید کے بارے میں اس طرح کے تاثرات کی کمی نہیں۔ یہاں چند اقوال بطورِ نمونہ پیش کرنے سے مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ نص قرآنی بذات خود بھی انسان کے دل و دماغ کی طرف پہنچنے کا ذریعہ ہے، بلکہ یہی ہدایت کا دروازہ ہے۔ اس کی نص اور مضامین دونوں کی تشکیل و ترکیب اس پائے کی ہے کہ اس کے کمالات کی انتہا نہیں۔ نبی کریمؐ کا ارشادِ گرامی منقول ہے: ''لا تنقضی عجائبه'' (۹) (اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے) یہی بات حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے خطبۂ خلافت میں فرمائی۔ (۱۰) اس کی عملی صورت کی بہتر گواہی تاریخ انسانی دے سکتی ہے۔ عہدِ نبوت کے مبارک ایام سے آج تک لاکھوں لوگ اس کے زبانی اور تحریری عجائب بیان کر رہے ہیں مگر آج تک کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ اس نے قرآنِ مجید کے تمام علوم و معارف کا احاطہ کر لیا ہے۔ اس طرح فہم قرآنِ مجید کے دو پہلو ہیں: ایک پہلو اس کی شانِ ہدایت ہے اور دوسرا پہلو اس کے علوم و معارف کا فہم و ادراک ہے۔ ابتدائی ہدایت کے لیے نبی کریمؐ نے نص قرآنی لوگوں کے سامنے پیش کی جس نے لوگوں کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ہدایت سے روشناس کرایا۔ قرآنِ مجید کا ہدایت اور نصیحت کے لیے آسان بنایا جانا خود قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر منقول ہے۔ صرف سورۂ قمر میں یہ بات ایک ہی عبارت کے ساتھ چار مرتبہ منقول ہے، چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر ۵۴:۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰] قریب قریب یہی بات سورۂ دخان میں یوں ارشاد فرمائی گئی ہے: ﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ [الدخان ۴۴:۵۸]۔ اس کے علاوہ بھی قرآنِ مجید میں اس مضمون کی متعدد آیات مختلف الفاظ کے ساتھ ملتی ہیں۔ یہاں مؤخر الذکر ارشاد باری تعالیٰ میں ﴿يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ﴾ کے الفاظ ایک لطیف اشارہ دے رہے ہیں کہ قرآنِ مجید کی یہ آسانی لغت رسالت مآبؐ میں ہے، جس سے ایک طرف نص قرآنی کے فہم کے لیے عربی زبان سے واقفیت ضروری معلوم ہوتی ہے تو دوسری طرف ماہر استاذ کی رہنمائی کا اشارہ ملتا ہے تاکہ اس بارے میں کوئی بھی سوال پیدا ہو تو استاذ کے ذریعے اس کا جواب حاصل کیا جا سکے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [النحل ۱۶:۴۳-۴۴]

قرآنِ مجید سے حاصل کی ہوئی ہدایت کے ساتھ ہی اس کے علوم و معارف کی تحصیل کا سلسلہ حصہ بقدر جثہ شروع ہو جاتا ہے، البتہ اس میں گہرائی اور تخصص کے لیے قرآنِ مجید نے سفر، ہجرت اور درسگاہوں کی حاضری وغیرہ جیسے اقدامات کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جو ہر شخص کے بس کا کام نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ [التوبہ ۹:۱۲۲] (ایسا تو ممکن نہیں تھا کہ سب ایمان والے ہی نکل کھڑے ہوں، تو ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ان کے ہر طبقے میں سے کچھ لوگ اس کے لیے نکل پڑیں تا کہ دین کا خوب ادراک حاصل کر لیں اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو متوجہ کریں، شاید وہ محتاط ہو جائیں)۔ اس مقالے میں نص قرآنی سے براہ راست حصول ہدایت کو زیر بحث لانا مقصود ہے، جس کے بارے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ﴾ کے تحت عربی زبان کی مرکزی اہمیت کا تذکرہ کیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ عربی زبان نہ آتی ہو تو حصول ہدایت کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس سلسلے میں حضرات صحابۂ کرامؓ سے لے کر آج تک مختلف ادوار میں متبادل انتظام کے طور پر اہل علم کی طرف سے ایسی تقریبی کاوشیں کی گئی ہیں جو نص قرآنی کو غیر عرب لوگوں کے افہام و اذہان سے قریب تر کرنے کا فریضہ سرانجام دیتی رہی ہیں۔

مولانا حسین علیؒ کا اسلوب تفسیر تفہیم نص سے قریب تر ہے کیوں کہ ان کا انداز معلمانہ و مفسرانہ سے زیادہ داعیانہ اور مصلحانہ تھا۔ تفسیر قرآنِ مجید کی تاریخ کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ نص قرآنی کی تفہیم اور فنی تدوین کی ابتدا بھی عہدِ نبویؐ سے ہو گئی تھی۔ ناسخ منسوخ کا تذکرہ نیز اصوات و لحون عرب کی پابندی عہد نبوی میں ایک مہتم بالشان کام تھا۔ (۱۱) یہی امور بعد میں تفسیر، تجوید اور نحو کی بنیاد بنے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ احزاب، پاروں، منزلوں، رکوعات، خموس، عشور، ارباع و اجزاء وغیرہ کی صورت میں مقبول ہوئے۔ نص قرآنی کی تقسیم کے سلسلے میں بہت سے اقدامات ہوئے جو آج تک مصاحف میں نص قرآنی کے ساتھ منقول پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ علامات اور تقسیمات نص قرآنی کی صحت برقرار رکھنے اور اس کے تحفظ کے لیے تھیں، کچھ تعلم و حفظ قرآن کے لیے اور کچھ علامات و تعلیقات تفہیم کے لیے تھیں۔ چوں کہ یہاں تفہیم نص کی بات ہو رہی ہے تو اس سلسلے میں عہد نبوی میں نص قرآنی کی سورتوں میں تقسیم غالباً موضوع کے لحاظ سے پہلی تقسیم تھی۔ پھر اسی سلسلے کی ایک اہم کوشش علم نحو کی تشکیل تھی جو صحابہ کرامؓ کے مبارک عہد میں شروع ہو گئی۔ بعد میں اگرچہ یہ کاوش پوری عربی زبان کی حفاظت کی ضمانت قرار پائی مگر اس کی ابتدا قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ [التوبہ ۹:۳] میں ﴿وَ رَسُوْلُهٗ﴾ پر ضمہ کی بجائے کسرہ پڑھنے کی غلطی پر حضرت عمر بن خطابؓ کی تنبیہ کو قرار دیا جاتا ہے۔ (۱۲)

یہ خدمت ظالم بن عمرو بن سفیان الکنانی المعروف ابوالاسود دؤلی (اق، ھ-۶۹ھ/ ۶۰۵ - ۶۸۸ء) کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ انہی کے حوالے سے اسی طرح کی روایت حضرت علیؓ اور زیاد بن ابی سفیان کے بارے میں بھی نقل کی گئی ہے۔ تشکیل علم نحو کی ابتدا کے طور پر نص قرآنی پر نقطے لگانے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ یہ نقطے سرخ رنگ سے لگائے گئے تھے اور ان سے حروف کی پہچان کا نہیں بلکہ اعراب کا کام لیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابوالاسودؒ نے ایک شخص کے ہاتھ میں قرآنِ

مجید کا تحریری نسخہ دیا اور اسے یہ ترتیب سمجھائی: "جو حرف پڑھتے ہوئے میں اپنا منہ کھولوں تم اس حرف کے اوپر ایک نقطہ لگا دو اور جس حرف کو پڑھتے ہوئے میرا منہ نیچے کو کھلے اس کے نیچے نقطہ لگا دو۔ اگر میں کسی حرف کی ادائیگی کرتے ہوئے ہونٹ ملاؤں تو اس کے سامنے نقطہ لگا دو، اور اگر کسی حرف کے آخر میں غنہ یعنی تنوین پڑھوں تو اس پر دو نقطے لگا دو" اسی طرح انہوں نے پورے قرآنِ مجید کے اعراب مکمل کیے۔ (۱۳) استنبول میں، ترکی کے اسلامی اور ترکی آثار کے عجائب گھر میں قرآنِ مجید کا جو قدیم ترین نسخہ محفوظ ہے اس کے تفصیلی فنی مطالعہ کے بعد اس کے لیے مقررہ کمیٹی نے اس نسخے کا عکس شائع کیا ہے اور اس کے شروع میں تفصیلی مقدمہ بھی لکھا ہے۔ اس مقدمے میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس نسخے کے بارے میں یہ رائے پائی جاتی ہے کہ اسی پر نقطوں کی صورت میں پہلی مرتبہ اعراب لگائے گئے تھے، حقیقتاً اس کے حروف پر نقطوں کے نشانات نظر بھی آ رہے ہیں۔ (۱۴) حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں مگر اس نسخے سے نقطوں والی روایت کی اگر سو فی صد تصدیق نہ بھی ہو تو تائید ضرور ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج دورِ جدید میں صوتی کتابت کی جو علامات (Diacritical Marks) مروج ہیں ان کی ''طرح'' ابوالاسود دؤلی کے ہاتھوں پڑ چکی تھی۔ اسی نسخے سے ابوالاسود بصرہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیان کے بچوں کو قرآنِ مجید پڑھایا کرتے تھے۔ (۱۵) پھر حجاج بن یوسف ثقفی کے دور میں ابوالاسود دؤلی ہی کے ایک شاگرد نصر بن عاصم لیثی (۸۹ھ/ ۷۰۸ء) نے منقوط اور غیر منقوط حروف کے فرق کے لیے نقطے لگائے۔ (۱۶) ایک قول یہ ہے کہ ابوالاسودؒ نے صرف حرکات اور تناوین لگائیں، جبکہ تشدید، ہمزہ، اشمام اور رَوم کی علامات خلیل بن احمد الفراہیدی (۱۰۰-۱۷۰ھ=۷۱۸-۷۸۶ء) نے لگائیں۔ (۱۷) امام قراءت ابوعمرو الدانیؒ نے "النقط" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں قرآن مجید کے نقاط لگانے یا نہ لگانے کے بارے میں صحابہؓ و تابعینؒ کے نقطہ ہائے نظر بھی ذکر کیے ہیں اور یہ بھی کہ حرکات کے لیے نقطے کس رنگ کی روشنائی سے لگائے جاتے تھے اور تشدید اور ہمزہ وغیرہ کے لیے کون سا رنگ استعمال کیا جاتا تھا۔ (۱۸) انہی کی ایک اور کتاب "المحکم فی نقط المصاحف" کے نام سے بھی ہے جس میں قرآنِ مجید کے نقطوں کے علاوہ، اعراب، شد، مدغموں، عشور اور دیگر تمام فنی علامات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ (۱۹) وقف و ابتدا کا اہتمام نص قرآنی کی تفہیم کے سلسلے میں ایک بہت بڑا اقدام تھا۔ اس موضوع پر کتابوں کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ قرآنی اشباہ و نظائر کی پہچان بھی فہم قرآن کی تقریب کے لیے اہم موڑ تھا اس سلسلے میں مثال کے طور پر علامہ ابوالفرج ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کی کتاب: **نزهة الاعين النواظر فه علم الوجوه و النظائر** (۲۰) ایک اہم دستاویز ہے۔

نص قرآنی کی تفہیم میں نظمِ قرآنی اور ربط آیات و سور پر ہونے والا کام بھی بہت اہم ہے، مولانا حسین علیؒ بھی اس موضوع پر خاص مہارت رکھتے تھے مگر اس میدان میں اولیت کا شرف ان کے متقدمین مفسرین کو حاصل ہے۔ یحیی بن زیاد الفراء الکوفی (م ۲۰۷ھ/۸۲۲ء) (۲۱) ابوعبیدہ معمر بن المثنی (م ۲۰۹ھ/۸۲۴ء)، (۲۲) ابوعثمان عمرو بن بحر الکنانی الجاحظ

(م۲۵۵ھ/ ۸۶۹ء)، (۲۳) عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہؒ الدینوری (متوفی ۲۷۶ھ/۸۸۹ء) (۲۴) احمد بن علی بن بیغجور الاخشید شیخ المعتزلہ (م۳۲۶ھ) (۲۵) اور ابوعلی حسن بن علی بن نصر (م۳۱۲ھ/۹۲۴ء) (۲۶) نے نظم القرآن کے تحت بلاغت قرآنی پر مباحث قائم کیے۔ (۲۷)

چوتھی صدی کے آخر میں ابوالفرج احمد بن علی المقری الہمدانی المعروف لال، روزراوری (متوفی ۴۰۰ھ تقریبا) نے سب سے پہلی کتاب "ما آت القرآن علی ترتیب السور" کے نام سے علم المناسبة پر ایک کتاب لکھی۔ (۲۸) پانچویں صدی میں امام عبدالقاہر جرجانیؒ (م۴۷۱ھ/ ۱۰۷۸ء) نے دلائل الاعجاز (۲۹) میں بلاغت کلام کا اصل مرجع نظم کلام کو قرار دیا۔ قاضی ابوبکر ابن العربی (م۵۴۳ھ/ ۱۱۴۸ء) نے علم مناسبت کو عظیم علم قرار دیا، وہ پہلے مفسر ہیں جو آیات میں مکمل ربط اور پیوستگی کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ: قرآن مجید کل ایک کلمہ کی مانند ہے جس میں آیات باہم وحدتِ بسیط کی طرح مربوط ہیں۔ چھٹی صدی ہجری میں زمخشریؒ (م۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء) نے تفسیر الکشاف (۳۰) میں مناسبات آیات کو بلاغت قرآنی کا جزو قرار دیا اور اس کے مخفی پہلوؤں کو بیان کیا۔ پھر فخر الدین رازیؒ (م۶۰۶ھ) نے تفسیر مفاتیح الغیب میں نظم و ربط آیات پر خصوصی توجہ دی اور جملوں کی تقدیم و تاخیر صیغوں کے اختلاف اور الفاظ کے وصل و فصل کے ذرا ذرا سے فرق سے بے شمار اسرار و رموز بے نقاب کیے۔ امام رازیؒ پہلے محقق ہیں جو ترتیب اور نظم آیات کو الفاظ و معانی کی طرح معجزہ قرار دیتے ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری کے شیخ ابوجعفر بن زبیر غرناطیؒ (م۷۰۸ھ/ ۱۳۰۸ء) کی تفسیر البرهان فی ترتیب سور القرآن اس موضوع پر ایک اور اہم تصنیف ہے (۳۱) پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا اس موضوع پر مصنفین کی دلچسپی اور تالیفات کی چاشنی بڑھتی چلی گئی اور اس فن پر متعدد کتب سامنے آئیں جن میں سے نویں صدی کے امام برھان الدین ابراہیم بن عمر بن حسن الرباط البقاعیؒ (م۸۸۵ھ/ ۱۴۸۰ء) کی نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور ہے۔ (۳۲) شاید اس زمانے تک اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اسی صدی میں برصغیر میں مخدوم ابوالحسن علاؤ الدین علی بن احمد بن علی مہائمی (۸۳۵ھ/۱۴۳۲ء) کی تفسیر تبصیر الرحمان وتیسیر المنانؒ (۳۳) مناسبات آیات کا ایک بہترین ذخیرہ ہے۔ دسویں صدی ہجری میں جلال الدین سیوطیؒ (م۹۱۱ھ) کی کتب "اسرار التنزیل"، "تناسق الدرر فی تناسب السور"، "الاتقان فی علوم القرآن" سبھی میں مناسبات اور ارتباط آیات کے وجوہ اور اسباب کے متعلق اہم اور مفید ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اسی صدی کے علامہ شمس الدین محمد بن الشربینی مصریؒ (م۹۷۷ھ) کی تفسیر "السراج المنیر" اور علامہ ابوالسعود (م۹۸۲ھ) کی تفسیر "ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم" میں بھی ارتباط آیات پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ بارہویں صدی میں علامہ محمود آلوسی حنفی بغدادی نے "روح المعانی فی تفسیر آیات القرآن" میں آیات کے ربط و ترتیب پر بھی خاص توجہ دی۔

برصغیر پاک و ہند میں مولانا حمید الدین فراہیؒ (م ۱۳۴۹ھ) (۳۴) نے نظم قرآن کو خصوصی موضوع بنایا۔ مولانا کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر سورت کا ایک عمود یا مرکزی مضمون ہے جو مطالب سورت کی شیرازہ بندی کا کام دیتا ہے اور اس کے تمام مضامین کو ایک لڑی میں پرو کر تمام بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع کر کے ان سے ایک خوبصورت ہار تیار کرتا ہے۔ وہ پوری سورت کو کثرت مضامین کے باوجود ایک وحدت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ربط و مناسبت کے اصولوں کی وضاحت کے لیے مولانا نے دلائل النظام کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔ مولانا فراہی کی وفات کے بعد ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبر قرآن میں اسی انداز کو اپناتے ہوئے آپ کے کام کو آگے بڑھایا۔ برصغیر ہی کے جلیل القدر علماء مولانا انور شاہ کشمیریؒ (۱۲۹۲ھ-۱۳۵۲ھ/۱۸۷۵-۱۹۳۳ء) (۳۵) نے مشکلات القرآن، مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۲۸۰ھ-۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) (۳۶) نے بیان القرآن اور مولانا محمد اعلیٰ تھانویؒ (م بعد از ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء) (۳۷) نے "سبق الغایات فی نسق الآیات" میں بھی نظم کو موضوع بحث بنایا ہے۔

اس طرح ربط آیات و سور پر کام تو مولانا حسین علیؒ سے پہلے بھی ہو چکا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر انہیں خاص ذوق عطا فرمایا تھا جو آپ کو اپنے سابقین سے ممتاز کرتا ہے۔ مولانا حسین علیؒ نے بذات خود کوئی قرآن کریم کی تفسیر تصنیف نہیں فرمائی، آپ کے شاگردان رشید نے آپؒ کے افادات کو قلمبند کر کے شائع کیا۔ اس طرح تقریباً دس کتب مولانا کے افادات پر مشتمل شائع ہو چکی ہیں جن میں سے تفسیر اور فہم قرآن مجید کے باب میں آپ کے افادات کا مجموعہ بلغۃ الحیران ہے جو تفسیر کے سبق کے دوران آپ کے شاگردان رشید ان مولانا غلام اللہ خان اور مولانا سید نذر حسینؒ نے قلمبند کر کے طبع کرایا۔ (۳۸) اس کے علاوہ ایک مختصر رسالہ بعنوان "تفسیر بے نظیر" مولانا حسین علیؒ کی حیات میں دو بار طبع ہوا اور تیسری مرتبہ مولانا غلام اللہ خانؒ نے اسے "التبیان فی تفسیر القرآن" کے نام سے شائع کیا، آپ کی کچھ املائی تالیفات حدیث پاک کے موضوع پر ہیں، کچھ عقیدے پر اور کچھ تصوف پر، مگر ان سب پر آپ کی قرآن فہمی نے فوقیت پائی اور اپنے ہاتھوں سے کوئی تفسیر تالیف نہ کرنے کے باوجود آپ کی اختیار کی ہوئی اصطلاحات، خلاصہ جات اور ربط سور و آیات کو اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ وہ آپ کے شاگردان رشید کی کاوشوں سے نہ صرف کتابی شکلوں میں محفوظ ہو گئے بلکہ مولانا حسین علیؒ کا طرز تفسیر ایک منہج قرار پایا۔ اس منہج کو ان کے شاگردانِ رشید نے اس قدر ترقی دی کہ آج تک نسل در نسل ان کے سلسلے کے مدارس میں اسی طرز کے عنوان سے سال میں ایک مرتبہ دورۂ تفسیر پڑھایا جاتا ہے جو عموماً شعبان اور رمضان میں دو ماہ سے کم عرصے میں مکمل کر لیا جاتا ہے۔ اس دورے کے علاوہ روزانہ دروس قرآنِ مجید کا تسلسل بھی ان کے مستفیدین و متوسلین کا امتیاز ہے۔ ان تفسیری دورہ جات اور دروس قرآنِ مجید میں زیادہ زور قرآن فہمی کی اصطلاحات، ربط آیات و سور اور عقائد و رسوم کی اصلاح پر دیا جاتا ہے۔ مولانا کے ربط اور خلاصہ جات تو ایک طویل موضوع ہے، یہاں تفہیم نص قرآنی کے لیے مولانا

نے جو اصطلاحات اختیار کیں انہی کا تذکرہ کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں وہ اپنے متقدمین ومتاخرین میں منفرد نظر آتے ہیں ، غالباً یہی اصطلاحات ہیں جن کی بنا پر طلبہ وعلماء دو ماہ سے کم عرصے میں قرآنِ مجید کی مختصر تفسیر سیکھ کر اس کے بیان وتعلیم کے قابل بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ اصطلاحات بھی بنیادی طور پر نظم قرآنی پر مولانا کے ذوق کا مظہر ہیں، اسی لیے ان کی ابتدا دعوائے سورت سے ہوتی ہے، مگر دوسری طرف وہ صرف نظم و ربط سور وآیات میں منحصر نہیں بلکہ قرآنی نص کو ان کے ذریعے ایسے عناوین دے دیے گئے ہیں کہ محض قرآنِ مجید کا ترجمہ جاننے والا شخص اس کے مضامین سے بھی واقف ہو جاتا ہے۔ ان اصطلاحات کا ایک جائزہ درجِ ذیل ہے: (۳۹)

## ا۔ دعویٰ یا موضوع سورت:

فراہی مکتب فکر میں سورت کے نظم میں عمود کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور سورت کے دیگر مضامین ایک ہار کی لڑی کی طرح اس کے ساتھ پروئے ہوتے ہیں۔ مولانا واں بھچروی نے مرکزی عمود کو دعوی کا نام دیا ہے۔ یہی دعوی سورت کا مرکزی مضمون ہوتا ہے جو پوری سورت کے لیے محور کے قائم مقام ہوتا ہے۔ سورت کے باقی مضامین اسی کے گرد چکر لگاتے ہیں یا اس کی مثال بیج اور تخم کی سی ہے۔ جس طرح درخت کے ہر پتے اور شاخ میں تخم کا اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہر درخت دوسری نوع کے درختوں سے ممتاز نظر آتا ہے، بعینہ اسی طرح سورت کی ہر آیت کو اصل دعوی سے ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے اور اس دعویٰ کی بنا پر ایک سورت دوسری سورت سے ممتاز نظر آتی ہے۔

اس طرح مولانا حسین علی کی اصطلاحات نظم میں علمی تحقیق کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ پھر وہ سورت کے دعویٰ کے لیے نصوص سے دلائل تلاش کرتے ہیں۔ دلائل عقلی اور نقلی تو عام اصطلاحات ہیں ہی، مولانا نے عمل استدلال کو مزید لطیف بنانے کے لیے دلیل عقلی مع اعتراف الخصم اور دلیل وحی کی اصطلاحات بھی متعارف کروائی ہیں۔ یہاں ایک اور پہلو قابلِ غور ہے کہ نظم ومناسبات میں ماضی کے محققین نے تمام مضامین قرآن کو یکساں طور پر موضوع مطالعہ بنایا ہے مگر مولانا واں بھچرویؒ کے مطالعۂ قرآنِ مجید میں توحید کا رنگ بہت غالب نظر آتا ہے حتی کہ تمام سورتوں کے دعوے ہی دعوائے توحید میں سمٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کچھ مضامین کو مولانا نے تنویر دعویٰ کا نام دے کر اسی دعویٰ کے ساتھ منسلک کر دیا ہے، کچھ میں مخاطب منکرین دعویٰ کو مکالمے کے دائرے میں لا کر ان سے دعوے کے کچھ حصوں کا اعتراف کروالیا ہے اور کہیں تبشیر وتخویف کے ذریعے دعوۃ الی الدعویٰ کا منظر پیش کیا ہے۔ نمازیں روزے، دیگر عبادات اور حدود وتعزیرات وغیرہ جو باقی بچے تھے انہیں امور انتظامیہ اور امور اصلاحیہ قرار دے کر دعوائے توحید کے دست وبازو بنا دیا ہے۔ علمی تحقیق میں یہ کوئی غلط بات بھی نہیں، توحید واقعی طور پر محور ہے اور قرآنِ مجید کے تمام مضامین اسی کے گرد گھومتے ہیں مگر چوں کہ یہ سارے معاملات عمل میں لانے کے لیے ان سے متعلقہ دینی رہنمائی کی ضرورت بہر حال ہے اس لیے اگر ان سب کو الگ الگ مضامین قرار دے

کر ہر مضمون کے مزاج کے مطابق دلائل جمع کر لیے جاتے تو یہ ''مطالعۂ قرآنی'' شریعت کے تمام پہلوؤں کو محیط ہو جاتا۔ ان معروضات کی روشنی میں نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مولانا کے پیش نظر قرآن مجید کے مطالعہ کے ذریعے شریعت سکھانے کی بجائے عقیدے کی دعوت کے ذریعے لوگوں کا رخ درست کرنا تھا۔ جب رخ درست ہو جائے تو باقی اعمال کی طرف آنا آسان ہو جاتا ہے۔ جس کی مثال ہمیں سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ کی حدیث میں مل جاتی ہے جنھوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتائیں کہ اس کے بعد آپ کے علاوہ کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قل: امنت بالله ثم استقم'' (۴۰) (تم کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہو)۔ شاید مولانا کے پیش نظر بھی یہی بات ہو کیوں کہ ان کے پاس علم کی کمی نہیں تھی، وہ ایک مضبوط مدرس اور کہنہ مشق محقق تھے اور جفاکشی کے لیے ان کا زمیندارانہ پس منظر ہی کافی تھا۔ ان کی قائم کردہ اصطلاحات کی ترتیب کو دیکھا جائے تو اثبات دعویٰ کے لیے یہ اصطلاحات ایک مربیانہ نظم کی آئینہ دار نظر آتی ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

## ۲۔ دلیل:

مولانا نے دعوائے سورت کے اثبات کے لیے دلائل کی اصطلاحات اختیار کی ہیں۔ ان کے نزدیک سورت میں دلائل ان بیانات کو کہا جاتا ہے جن سے دعویٰ ثابت کیا جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں: قرآن مجید میں دعویٰ ثابت کرنے کے لیے چار قسم کے دلائل بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ دلیل عقلی محض، ۲۔ دلیل عقلی مع اعتراف الخصم، ۳۔ دلیل نقلی، ۴۔ دلیل وحی

۱۔ دلیل عقلی محض اس دلیل کو کہتے ہیں جس میں ایسے امور مذکور ہوں جن کا تعلق عقل سے ہے۔ دلیل عقلی کے ذریعے ہر صاحب عقل دعویٰ کو سمجھ سکتا ہے۔ اس کی وضاحت وہ یوں کرتے ہیں کہ اگر مخاطب کافر مشرک ہو تو بھی عقل سلیم اسے یہ بات ماننے پر مجبور کرے گی کہ جو امور دلیل میں مذکور ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہیں، نہ کسی نبی یا ولی کے، نہ فرشتہ کے۔ اس لیے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر مخاطب دہریہ ہو تو عقل سلیم اسے یہ بات ماننے پر مجبور کرے گی کہ جو امور دلیل میں مذکور ہیں ان کا نظام خود بخود نہیں چل رہا بلکہ ایک قادر و قیوم ہستی اس سارے نظام کو چلا رہی ہے اور یہ کام بے شعور مادہ کا نہیں۔ دعویٰ مع دلیل عقلی کی مثال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ ۲:۲۱-۲۲]۔ مولانا حسین علی کے طرز تفسیر کے مطابق:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ﴾ ''دعوائے توحید ہے'' یعنی اپنے رب کی عبادت کرو اس کے سوا کسی کی عبادت

نہ کرو۔ پھر ﴿الَّذِی خَلَقَکُم﴾ سے ﴿رِزْقًا لَّکُم﴾ تک دلیل عقلی ہے، یعنی تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کوئی نہیں۔ اسی طرح تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اسی نے بنایا اور آسمان سے مینہ برسا کر زمین سے تمہاری روزی کا سامان بھی اسی نے پیدا کیا۔ تمہارے معبودان باطلہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ دلیل کا نتیجہ ہے، یعنی جب تم جانتے ہو کہ سب کام کرنے والا اللہ ہے تو پھر کسی کو عبادت میں اس کا شریک نہ بناؤ۔

۲۔ دلیل عقلی مع اعتراف الخصم ایسی دلیل عقلی ہے جس کو منکرین سے استفہام کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے تسلیمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِکُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ مَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ [یونس ۱۰:۳۱] اس آیتِ کریمہ کی ابتداء میں چند ایسے امور ذکر فرمائے گئے جن کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ان امور کا فاعل اور کارساز صرف اللہ ہی ہے اسی لیے ﴿فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ﴾ فرمایا جو ان کے اقرار پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے بعد ﴿فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ فرما کر انہیں حیا دلائی کہ تم ان باتوں کا اقرار کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو؟

۳۔ دلیل نقلی کے ضمن میں دعوی کے اثبات کے لیے مولانا نے سات قسم کے نقلی دلائل ذکر کیے ہیں۔ (۴۱) گزشتہ آسمانی کتابوں سے (۴۲) انبیاء سابقین سے اجمالاً (۴۳) انبیاء سابقین سے تفصیلاً نام بنام (۴۴) کتب سابقہ کے علماء سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے (۴۵) جنات سے (۴۶) ملائکہ سے اور (۴۷) پرندوں سے۔

(۱)۔ کتب سابقہ سے منقول دلائل کی مثال ارشادِ باری تعالیٰ:

﴿وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا﴾ [الاسراء ۱۷:۲] اس میں تورات سے دلیل نقل کی گئی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ، لہذا یہ تورات سے دلیل نقلی ہے۔

(۲)۔ دلیل نقلی از انبیاء علیہم السلام اجمالاً۔ اس کی مثال ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الانبیاء ۲۱:۲۵] (اور آپ سے پہلے ہم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، اس لیے صرف میری ہی عبادت کرو۔)

(۳)۔ دلیل نقلی از ابراہیم علیہ السلام۔ مثال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا﴾ [مریم ۱۹:۴۱-۴۲] (اور ذکر کیجیے کتاب میں ابراہیم کا، وہ بہت سچے نبی تھے۔ سچائی کی حد یہ تھی کہ انھوں نے اپنے باپ سے بھی صاف کہہ دیا کہ اے میرے باپ تو ان (باطل معبودوں) کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ تجھے کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

(۴)۔ دلیل نقلی از علماء اہل کتاب، مثال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ [البقرۃ ۲:۱۲۱] (جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں اور وہ اس دعوے کو مانتے ہیں۔ یہ دلیل نقلی ان مولویوں اور پیروں سے لی گئی ہے جو تورات کا علم رکھتے تھے اور اسلام قبول کر چکے تھے۔

(۵)۔ دلیل نقلی از جنات۔ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا﴾ [الجن ۷۲:۱-۲] (فرما دیجیے! میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب ہی قرآن سنا جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور (اب) ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ یہ جنات کے ایک طائفہ سے نقل پیش کی گئی ہے۔ انہوں نے قرآن مجید سن کر اپنی قوم کو جا کر سنایا اور صاف اعلان کر دیا کہ اللہ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں اس لیے صرف اللہ ہی کو غائبانہ حاجات میں پکارا کرو۔)

(۶)۔ دلیل نقلی از ملائکہ۔ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [آل عمران ۳:۱۸] گواہی دی اللہ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی۔ وہ نظام کو اعتدال کے ساتھ قائم رکھنے والا ہے۔

(۷)۔ دلیل نقلی از طیور۔ جب ہدہد غائب رہنے کے بعد حضرت سلیمانؑ کے پاس آیا تو قوم سبا کے مشرکانہ افعال بیان کرنے کے بعد یوں گویا ہوا:

﴿الا يسجدوا لله الذي يخرج الخب ء في السماوات والارض ويعلم ما تخفون وما تعلنون (۲۵) الله لا اله الا هو رب العرش العظيم﴾ [النمل ۲۷:۲۵-۲۶] (اس خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو ایسا قادر ہے کہ آسمان اور زمین

کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے اور ایسا عالم ہے کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو سب کچھ جانتا ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔)

## دلیل وحی:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعوی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم بھی ملتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنی طرف سے اور اپنی رائے سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھے اللہ تعالی کی طرف سے بذریعہ وحی یہ حکم ملا ہے کہ میں یہ دعوی اور مضمون تم تک پہنچاؤں۔ چناں چہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَ كُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝ [الانعام ۶:۵۶] (فرما دیجیے مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جبکہ میرے پاس اپنے رب کی طرف سے کھلی باتیں آ چکی ہیں (اور یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ) مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے کو اللہ کے سپرد کر دوں۔)۔

مولانا کا چوں کہ اسلوب زیادہ تر مصلحانہ تھا اور توحید کا پہلو زیادہ غالب تھا، اس لیے بعض مقامات پر ان اصطلاحات کے استعمال کی وضاحت بھی کرتے جاتے ہیں، مثال کے طور پر ایک مقام پر فرماتے ہیں: قرآن مجید میں دعوی توحید کو تینوں قسم کے دلائل سے ثابت کیا گیا ہے تاکہ مادۂ انکار کا بالکلیہ استیصال ہو جائے اور منکرین کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ دلیل عقلی اس لیے ذکر کی جاتی ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ دعوائے توحید عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔ اور دلیل نقلی اس لیے پیش کی جاتی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دعوی توحید میں آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منفرد نہیں ہیں بلکہ آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام بھی مسئلہ توحید بیان فرماتے رہے ہیں اور دلیل وحی اس لیے پیش کی جاتی ہے تاکہ منکرین دعوی کے اس اعتراض کا جواب ہو جائے کہ مسئلہ توحید کے علاوہ اور مسائل و احکام تھوڑے ہیں، یہ کیا ضروری ہے کہ اسے ہی بیان کیا جائے۔ اس لیے اسے چھوڑ کوئی اور مسئلہ بیان کرو۔ اس پر دلیل وحی سے جواب دیا کہ میں تو اللہ کی طرف سے اس کام (دعوی پیش کرنے) پر مامور ہوں، اس لیے اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔

## ۳۔ تنویر دعوی:

بعض دفعہ منکرین سے دعوی کا ایک حصہ تسلیم کرا کر اس کے باقی حصے نہایت وضاحت سے ان کے سامنے بیان کر دیے جاتے ہیں جن کی وہ صراحتاً تردید نہیں کر سکتے۔ اس طرح گویا کہ انہوں نے دعوی کے تمام حصے صراحتاً اور ضمناً تسلیم کر لیے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ

الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآئًم بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ﴾ [الزخرف ۴۳:۹-۱۲] (اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین آسمان کس نے پیدا کیا ہے۔ وہ ہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا اور تمہارے لیے اس میں راستے بنائے تاکہ تم راہ پاؤ۔ اور وہ ہی ہے جس نے آسمان سے اندازے کے مطابق پانی اتارا اور پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اسی طرح تم بھی دوبارہ پیدا کیے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جس نے سب جوڑے پیدا کیے اور تمہارے لیے کشتیاں اور جانور بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔)

اس میں مشرکین مکہ نے صراحتاً تسلیم کرلیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر غالب اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس کے بعد ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ سے دعویٰ کی تنویر فرمادی۔ یعنی دعویٰ مذکورہ پر مزید روشنی کہ منکرین خاموشی سے سن لیں۔ تو جس طرح انھوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح گویا کہ انھوں نے یہ بھی تسلیم کرلیا کہ اگلی آیتوں میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مختص ہیں۔

تنبیہ: قرآن میں بشارت دنیوی بہت کم آئی ہے۔ تخویف و بشارت کی مثال یوں سمجھ لو جس طرح دنیوی حکومتیں حکومت کا ساتھ دینے والوں کو نوازتی ہیں، انہیں خطابات سے سرفراز کرتی اور مربع جات وغیرہ عطا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس باغیوں کو عمر قید کی سزا دی جاتی ہے یا انہیں تختہ دار پہ لٹکایا جاتا ہے۔ اسی طرح احکام الٰہی ماننے والوں کے لیے آخرت میں جنات وانہار اور دیگر کئی قسم کی نعمتیں ہوں گی اور دنیا میں بھی ان کو انعام واکرام سے نوازا جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اس کی متقاضی ہو۔ جیسا کہ اس نے حضرت سلیمانؑ اور دیگر کئی برگزیدہ بندوں کو دنیوی حکومت عطا فرمائی۔ اسی طرح اس مالک الملک کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی دنیا میں بھی گرفت ہو جاتی ہے جیسا کہ فرعون، نمرود اور قارون وغیرہ، اور آخرت میں تو ہوگی ہی۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد اس کے کسی پہلو کو زیادہ واضح کرنے یا اس سے متعلق کسی شبہ کا ازالہ کرنے کے لیے کلام لایا جاتا ہے جو پہلے بیان کی تنویر کہلائیگا۔ جیسے سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا﴾ [النساء ۴:۱۲۷] مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں: یہ احکام رعیت میں سے دوسرے حکم پر تنویر ہے۔ ''﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ [النساء ۴:۳] سے شبہ ہو سکتا تھا کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح جائز نہیں۔ یہاں اس شبہے کا ازالہ کر دیا کہ اس حکم کا منشا یہ نہیں کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح جائز ہی نہیں بلکہ

مقصد یہ ہے کہ ان سے انصاف کا برتاؤ کیا جائے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنایا جائے۔ اگر عدل نہ کر سکو تو پھر کسی دوسری عورت سے نکاح کرو۔

## ۴۔تخویف:

دعوی منوانے کے لیے قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالی کی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے، اسے تخویف یا ڈراوا کہتے ہیں۔تخویف کی پھر دو قسمیں ہیں۔اگر گرفت کا تعلق دنیا سے ہو تو وہ تخویف دنیوی ہے اور اگر اس کا تعلق آخرت سے ہو تو وہ تخویف اخروی ہے۔حضرت شاہ ولی اللہؒ نے الفوز الکبیر میں ان دونوں اصطلاحوں کو تذکیر بأیام اللہ اور بما بعد الموت سے تعبیر فرمایا ہے۔اس طرح مولانا رحمہ اللہ کا ذوقِ قرآنی اور نکھر کر سامنے آتا ہے کہ قرآن فہمی کو اذہان سے قریب تر لانے کے لیے آپ نے خوب مطالعہ فرمایا جیسے کہ "بلغۃ الحیران" اور "جواہر القرآن" میں جابجا حوالہ جات ملتے ہیں، مگر آپ کا ذوق نکتہ رس زیادہ تفسیری تفاصیل میں جائے بغیر اپنے مخصوص انداز میں پیغام قرآنی کی ادائیگی کے لیے اصطلاحات کی تلاش میں زیادہ متوجہ نظر آتا ہے۔

مثالِ تخویف دنیوی:

﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ [مریم۱۹:۹۸] (ان سے پہلے ہم نے کئی جماعتیں تباہ کیں، کیا آپ ان میں سے کسی کے متعلق کچھ جانتے ہیں یا ان کی کچھ آہٹ سنتے ہیں؟)

مثال تخویف اخروی:

﴿وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾ [مریم۱۹:۸۶] (اور ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا چلائیں گے)

قرآن مجید میں ہر دو تخویف کا ذکر بہ کثرت آیا ہے۔بہت کم سورتیں اس کے ذکر سے خالی ہوں گی۔خصوصاً قرآن مجید کے آخری حصہ میں تخویف اخروی بہ کثرت مذکور ہے۔

## ۵۔تبشیر یا بشارت:

تخویف کے مقابلے میں تبشیر یعنی ماننے والوں کے لیے انعامات کی خوشخبری کا بیان۔تخویف کی طرح تبشیر کی بھی دو قسمیں ہیں۔تبشیر دنیوی اور تبشیر اخروی۔

مثال تبشیر دنیوی:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ [النصر۱۱۰:۱-۳] (جب اللہ کی مدد اور فتح آ پکی۔اور آپ لوگوں کو فوج در فوج دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔تو اللہ کی پاکیزگی بیان کیجیے اس کی حمد کے ساتھ۔اور اس سے بخشش مانگیے وہ تو بہت بخشنے والا ہے)

مثال تبشیر اخروی: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ [الکہف ۱۸:۱۰۷] (ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے جنت کے باغات ہوں گے بطور مہربانی۔)

## ۶۔ شکوی:

منکرین دعوی جب مقابلے میں دعوی پیش کرنے والوں کو مختلف طریقوں سے ذلیل وعاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کے عجز کو دیکھ کر ان کے پیش کردہ دعوی کو چھوڑ دیں تو ایسے لوگوں کے حالات پر اللہ تعالی کی طرف سے شکایت کی جاتی ہے۔ اسے شکوی کہتے ہیں۔ شکوی کی پہچان یہ ہے کہ اس کی ابتدا لفظ قَالَ یا قَالُوا سے ہوگی۔ بعض اوقات شکوی کے ساتھ اس کا جواب بھی مذکور ہوتا ہے اور بعض اوقات جواب مذکور نہیں ہوتا۔

مثال اول: ﴿وقالوا لن نومن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا (۹۰) او تکون لک جنة من نخیل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجیرا (۹۱) او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی بالله والملائکة قبیلا (۹۲) او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نومن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤه قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا﴾ [الاسراء ۱۷:۹۰-۹۳] (انہوں نے کہا ہم گز گز نہ مانیں گے تیری بات کو جب تک تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ نہ جاری کر دے یا جب تک تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ نہ ہو اور تو اس کے بیچ نہریں نہ جاری کر دے۔ یا تو آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ گرا دے۔ جیسا کہ تیرا خیال ہے۔ یا تو اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لے آئے۔ یا تیرا سونے کا مکان ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے لیکن ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے کی وجہ سے بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک تو اپنے ساتھ ایک کتاب نہ لے آئے جسے ہم خود پڑھ لیں۔ آپ فرما دیں یہ تمام امور صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔ میرے یا کسی اور کے اختیار میں نہیں۔ میرا اللہ پاک ہے۔ میں تو صرف اس کا پیغام پہنچانے والا آدمی ہوں۔) یہاں آیت کے آخری حصے میں شکوی کا جواب بھی مذکور ہے۔

مثال دوم: ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ [فصلت ۴۱:۵] (انہوں نے کہا کہ ہمارے دل اس سے جس کی تو ہم کو دعوت دیتا ہے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے۔ پس تو اپنا کام کر ہمیں اپنا کام کرنے دے۔) اس آیت میں شکوے کے بعد جواب مذکور نہیں۔

## ۷۔ زجر:

بعض اوقات منکرین دعوی کو ان کی ناجائز حرکات اور ان کے غیر معقول مطالبات پر جھڑکا جاتا ہے۔ اسے زجر کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿فلما جاء تهم رسلهم بالبینات فرحوا بما عندهم من العلم و حاق بهم ما

کانو به یستهزؤن﴾ [غافر۴۰:۸۳] (جب ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اس علم پر بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا۔) یعنی انبیاء علیہم السلام نے ان لوگوں کے سامنے دلیلیں اور معجزے پیش کیے مگر وہ اپنے باطل پر اکڑ گئے اور حق قبول نہ کیا۔

## ۸۔ تسلی یا تسلیہ:

دعوائے توحید پیش کرنے والوں پر جب منکرین دعوی کی طرف سے مختلف قسم کی مصیبتیں آتی ہیں اور وہ ان کو جھٹلاتے اور طرح طرح سے ایذائیں دیتے ہیں تو اس پر اللہ تعالی کی طرف سے دعوی پیش کرنے والوں کو تسلی دی جاتی ہے جس سے ان کے دل کو مضبوط اور زیادہ مطمئن کرنا مقصود ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف اندازِ تعبیر سے متعدد جگہوں میں تسلی دی ہے۔

تعبیر اول: ﴿وان یکذبوک فقد کذبت رسل من قبلک و الی الله ترجع الامور﴾ [فاطر۳۵:۴] (اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔ آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے۔)

تعبیر ثانی: ﴿فاصبر علی ما یقولون و سبح بحمدک ربک قبل طلوع الشمس و قبل غروبها و من آناء اللیل فسبح و اطراف النهار لعلک ترضی﴾ [طٰہٰ۲۰:۱۳۰] (جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں اور سورج چڑھنے اور ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کریں یعنی صفات کارسازی میں میرے رب کا کوئی شریک نہیں۔

تعبیر ثالث: ﴿ولا تحزن علیهم و اخفض جناحک للمومنین﴾ [الحجر۱۵:۸۸] (آپ منکرین دعوی پر غم نہ کریں اور دعوی توحید ماننے والوں کے لیے اپنا بازو جھکا دیں۔)

تعبیر رابع: ﴿ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون (۹۷) فسبح بحمدک ربک و کن من الساجدین (۹۸) واعبد ربک حتی یأتیک الیقین﴾ [الحجر۱۵:۹۷-۹۹] قسم ہے، ہم جانتے ہیں آپ کا سینہ ان باتوں سے تنگ ہوتا ہے۔ پس آپ اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی پاکی بیان کریں اور سجدہ کریں اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔

تعبیر خامس: ﴿ولقد آتیناک سبعا من المثانی و القرآن العظیم﴾ [الحجر۱۵:۸۷] (ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا ہے۔) اس لیے آپ ہمارے اتنے بڑے انعام کے بعد ان کی باتوں سے تنگی محسوس نہ فرمائیں اور نہ ان کی پرواہ کریں۔

## ۹۔امور مصلحہ:

دعوی کو ماننے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہیں اور اس کے تمام تقاضوں کو پورا کریں۔قرآن مجید میں امور انتظامیہ مثلاً قصاص ، نکاح ،طلاق ،وصیت اور وراثت وغیرہ کے جو احکام بیان کیے گئے ہیں،ان کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے تا کہ مسلمانوں میں اتفاق اور تنظیم قائم رہے۔اس لیے ان کے ساتھ کچھ ایسے امور کا بیان بھی ضروری تھا جو استقامت اور عمل صالح پر ممد ومعاون ہوں اور جن سے باطن کی اصلاح ہو اور مسلمان ہر مشکل سے مشکل حکم پر آمادہ عمل ہو جائیں۔ایسے امور کو امور مصلحہ کہتے ہیں۔قرآن مجید میں احکام اور امور انتظامیہ کے ساتھ جا بجا تین امور مصلحہ کا ذکر کیا گیا ہے،یعنی نماز ،روزہ اور حج۔ان امور سے مقصود چونکہ اصلاح باطن ہے،اس لیے امور کا ماقبل سے معنوی ربط تلاش نہ کیا جائے۔امور مصلحہ عام طور پر احکام کے درمیان سورت کے مختلف حصوں میں مذکور ہوتے ہیں جو بظاہر ماقبل اور مابعد سے غیر مربوط نظر آتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرۃ میں: ﴿حافظوا علی الصلوات و الصلاۃ الوسطی﴾ (تمام نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً درمیانی نماز کی) اس آیت سے پہلے امور انتظامیہ طلاق،عدت اور رضاعت وغیرہ کے احکام مذکور ہیں اور اس کے بعد بھی عدت کے احکام بیان کیے جا رہے ہیں لیکن درمیان میں نماز قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا تو اس کا ذکر یہاں بطور امر مصلح ہے کیونکہ نماز کی پابندی خصوصاً جماعت کے ساتھ باہمی محبت والفت کا باعث ہے۔حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے: ﴿سووا صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم﴾ سورۂ بقرۃ میں تمام امور مصلحہ مذکور ہیں۔سورۂ نساء اور مائدہ میں صرف ایک یعنی نماز۔چوں کہ مولانا توحید کے مرکزی مسئلہ کو تمام مباحث اور ادلہ کا محور قرار دیتے ہیں اس لیے ان عبادات کو امور مصلحہ کا نام دے کر توحید کی محوریت کو برقرار رکھا ہے۔

## ۱۰۔اندماج یا ادماج:

قرآن مجید میں عموماً کسی مثال یا واقعہ کو پوری تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا بلکہ اکثر مثال یا واقعہ کے مقصودی حصے کو صراحۃً بیان کیا گیا ہے اور غیر مقصودی حصوں کو حذف کر دیا گیا ہے کیوں کہ وہ معمولی غور وفکر سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔اسے اندماج یا ادماج کہتے ہیں۔مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ:

﴿مثلھم کمثل الذی استو قد ناراً فلما اضاء ت ما حولہ ذہ اللہ بنورھم و ترکھم فی ظلمات لا یبصرون﴾ [البقرۃ ۲:۱۷] (ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو آگ روشن کرے اور جب وہ آگ ان کے گرد وپیش کو روشن کرے تو اللہ تعالی ان کی روشنی زائل کر دے اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دے کہ کچھ نہ دیکھ سکیں۔)

اس آیت میں اندماج ہے اور ﴿استوقد ناراً﴾ کے بعد فیہ رجال قاعدون محذوف ہے۔اس کے بعد بنورھم کی ضمیر جمع اس پر دلالت کرتی ہے۔اسی طرح ﴿فلما احس عیسی منھم الکفر قال من انصاری الی

الله قال الحواريون نحن انصار الله آمنا بالله واشهد بانا مسلمون﴾ [آل عمران ۳:۵۲] اس آیت میں جب عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کا کفر معلوم کرلیا۔ اس سے پہلے اندماج ہے، یعنی القصہ جب حضرت عیسیٰؑ پیدا ہو گئے اور منصب نبوت پر سرفراز ہو کر بنی اسرائیل کو توحید کی دعوت دی۔

ادماج کی مثالیں جابجا ذکر کرنے کے علاوہ مولانا نے ایک تنبیہ کے ذریعے بسم اللہ میں ادماج کا ذکر یوں کیا ہے:

تنبیہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہر جگہ ادماج ہے کیونکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ غائبانہ حاجات میں مافوق الاسباب میں صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگو، گویا اصل میں یوں ہے: بسم الله استغيثوا في الحاجات لا بغيره ۔ ''ب'' کا متعلق صیغہ امر مؤخر ہے اور تقدیم ما حقہ التاخیر مفید حصر ہے اور ''ب'' برائے استعانت ہے۔

## ۱۱۔ ادخال الٰہی:

قرآن مجید میں قصص وغیرہ کے سلسلے میں جہاں کہیں کسی کا کلام نقل کیا جارہا ہو یا کوئی مضمون بیان ہو رہا ہو تو بعض دفعہ درمیان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد آجاتا ہے جو اس قصہ یا مضمون کا حصہ تو نہیں ہوتا مگر اس سے متعلق ضرور ہوتا ہے، اسے ادخال الٰہی کہتے ہیں۔ مثال: ﴿وان يک كاذبا فعليه كذبه وان يک صادقا يصبكم بعض الذى يعدكم ان الله لا يهدى من هو مسرف كذاب﴾ [غافر ۴۰:۲۸] (اور اگر بالفرض وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا، اور اگر وہ سچا ہے تو جس چیز کی پیشین گوئی وہ کر رہا ہے اس سے ضرور کچھ نہ کچھ تم پر پڑے گا۔) یہ تقریر فرعون کے اس درباری کی تھی جو موسیٰ علیہ السلام پر دل و جان سے ایمان لا چکا تھا۔ اس کے بعد ان ﴿ان الله لا يهدى من هو مسرف كذاب﴾ [غافر ۴۰:۲۸] ادخال الٰہی ہے اور اس کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے یعنی کیا اس شخص کی تقریر سے فرعون کو کچھ فائدہ ہوا؟ تو اس کے جواب میں فرمایا جو مسرف اور جھوٹا ہو اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا۔

## ۱۲۔ اعادہ برائے بعد عہد:

کبھی قرآن مجید میں ایک مضمون کو بیان کیا جاتا ہے لیکن اس کا حکم اور نتیجہ اس کے ساتھ اس وقت بیان نہیں کیا جاتا اور درمیان میں اس کے متعلقات آجاتے ہیں، پھر نتیجہ ذکر کرنے سے پہلے اس مضمون کو دہرایا جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ مرتبط ہو جائے۔ قرآنِ مجید میں اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں، یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

مثال اول: ارشادِ باری تعالیٰ ﴿فلولا اذا بلغت الحلقوم (۸۳) وانتم حينئذ تنظرون (۸۴) ونحن اقرب اليه منكم ولكن لا تبصرون (۸۵) فلولا ان كنتم غير مدينين (۸۶) ترجعونها ان كنتم صادقين﴾ [الواقعۃ ۵۶:۸۳-۸۷] (پھر کیوں نہیں جبکہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ ہم تمہاری نسبت اس سے زیادہ قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔ اگر تم پر کسی قسم کا محاسبہ ہونے والا نہیں تو تم اسے کیوں واپس نہیں لے

آتے ہو، اگر تم سچے ہو)۔ یہاں لولا کا جواب مذکور نہیں بلکہ شرط کے بعد اس کے متعلقات مذکور ہیں جن کی وجہ سے شرط اور جزا میں فاصلہ واقع ہوگیا، اس لیے جزا ﴿ترجعونها﴾ سے پہلے ﴿لولا ان کنتم غیر مدینین﴾ کا اعادہ کیا گیا تا کہ جزا شرط کے ساتھ مربوط ہو جائے۔ اس لیے یہ اعادہ فاصلہ اور بعد عہد کی وجہ سے ہے۔

دوسری مثال، ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿وما افاء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء والله على كل شيء قدير (٦) ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فلله وللرسول ولذى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كى لا يكون دولة بين الاغنياء منكم وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شديد العقاب﴾ [الحشر ۵۹:۶-۷] اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنے رسولوں کو مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو کچھ اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے کافروں سے دلوائے سو وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا تا کہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں ان کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔ سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو اور خدا سے ڈرتے رہو، بیشک خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔)

اس آیت میں مال فے کا حکم بیان کرنا مقصود تھا لیکن درمیان میں ﴿فما اوجفتم﴾ سے اس کے متعلقات بیان کیے گئے پھر ﴿وما افاء الله على رسوله﴾ کا اعادہ کر کے ﴿فلله وللرسول ولذى القربى﴾ سے اس کا حکم بیان کیا گیا

## ۱۳۔ مہر جباریت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق سمجھنے، دیکھنے اور سننے کے لیے دل، آنکھیں اور کان دیے ہیں اور حق سمجھانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتابیں نازل کیں۔ ان تمام امور کے باوجود جو شخص حق کو نہ سمجھے، نہ دیکھے اور نہ مانے بلکہ ضد اور عناد کی وجہ سے حق کا مقابلہ کرے اور اپنے عقائد باطلہ اور اعمال مشرکانہ پر ڈٹا رہے تو ایسے لوگوں کی حق کو سننے اور سمجھنے کی قوت ماؤوف ہو جاتی ہے اور اس طرح ان سے ایمان لانے کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اس حالت کا نام مہر جباریت ہے اور یہ جبر نہیں ہے کیوں کہ جبر تب ہوتا کہ حق کو سمجھنے کی قوت ہی نہ دی جاتی اور حق پہچاننے کے وسائل مہیا نہ کیے جاتے۔ مولانا نے قرآن مجید میں اس مفہوم کے مختلف عنوانات کی نشان دہی کی ہے، یہاں صرف ایک مثال دی جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم آذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم اضل اولئك هم الغافلون﴾ [الاعراف ۷:۱۷۹] (ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں ان سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے

راہ ہیں۔ یہی لوگ بے خبر ہیں۔) اس آیت میں ان کی اس حالت کو کسی سبب کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔

کہیں اسی مہر جباریت کو ﴿بل ران علی قلوبهم﴾ [المطففین ۸۳:۱۴] کہا گیا ہے، کہیں ﴿قلوبنا فی اکنة مما تدعونا الیه وفی آذاننا وقرٌ ومن بیننا وبینک حجاب﴾ [فصلت ۴۱:۵]، کہیں ﴿ختم الله علی قلوبهم و علی سمعهم و علی ابصارهم غشاوة﴾ [البقرة ۲:۷] وغیرہ سے یہی بات بتائی گئی ہے۔

ان مختلف عنوانات کی وجہ یہ ہے کہ مخاطب کو معلوم ہو جائے کہ مہر جباریت سے کیا مراد ہے۔ نیز مہر جباریت کیوں اور کب لگائی جاتی ہے اور مہر جباریت لگاتا کون ہے۔ بعض اوقات قرآن مجید میں مہر جباریت کی کیفیت بیان کی جاتی ہے مگر ساتھ اس کے اسباب بیان نہیں کیے جاتے کیونکہ وہاں صرف حالت کا بیان مقصود ہوتا ہے، کہیں اس کے ساتھ بعض اسباب مذکور ہوتے ہیں بعض نہیں ہوتے۔ مولانا نے ہر متعلقہ آیت کے ساتھ اس کا عنوان اور سبب بیان کیا ہے۔

## ۱۴۔ ربط القلب:

ربط القلب، مہر جباریت کی ضد ہے۔ جب انسان ہدایت کی راہ اختیار کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اس کا قدم راسخ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو یقین محکم اور اس کے ایمان کو دولتِ استقامت سے مالا مال فرما دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص گمراہی اور ضلالت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ دل کی اس کیفیت کا نام ربط القلب ہے۔ حدیث میں اہل بدر کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد مذکور ہے اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم (جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے) اس میں اسی قلبی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہارے دلوں کو اپنی طرف مائل کر دیا۔ تمہارے دلوں میں نیکی کی محبت اور برائی سے نفرت بھر دی ہے۔ اس لیے اب تم گناہوں کی طرف نہیں جا سکتے۔ قرآن کی متعدد آیتوں میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اصحاب کہف کے متعلق ارشاد ہے: ﴿و ربطنا علی قلوبهم اذ قاموا فقالوا ربنا رب السماوات والارض لن ندعو من دونه الها لقد قلنا اذا شططا﴾ [الکہف ۱۸:۱۴] (ہم نے ان کے دلوں پر ربط کر دیا جب وہ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے ہمارا رب وہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اس کے سوا ہم کسی اور معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے۔ ورنہ ہم عقل سے دور بات کریں گے۔)

مولانا کچھ اصطلاحات جو کسی بڑی اصطلاح سے تعلق رکھتی ہوں کو وضاحتی نوٹ کے ذریعے بھی واضح فرما دیتے ہیں، چناں چہ ربط القلب کی وضاحت میں آپ فرماتے ہیں: "ربط القلب دراصل ہدایت کے چوتھے درجے کا نام ہے۔ ہدایت کے چار درجے ہیں۔ انابت: یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنا اور ضد و عناد کو چھوڑ کر راہ ہدایت کی تلاش و جستجو کرنا۔ ہدایت صرف انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن میں انابت الی اللہ کا جذبہ موجود ہو۔ چناں چہ ارشاد ہے: ﴿و یهدی الیه من ینیب﴾ [الشوریٰ ۴۲:۱۳] یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق صرف ان لوگوں کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ (۴۸) ہدایت: یہ انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ (۴۹) استقامت: ہدایت کے بعد استقامت کا درجہ

ہے۔ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق سیدھی راہ پر چلنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے استقامت عطا فرما دیتا ہے۔ ﴿ان الذین قالو ربنا الله ثم استقاموا﴾ [فصلت ۴۱:۳۰] میں ﴿ثم استقاموا﴾ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (۵۰) ربط القلب: راہ ہدایت پر استقامت کے بعد ربط القلب کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ درجہ ایمان ویقین کی پختگی کا سب سے اونچا درجہ ہے جسے یہ درجہ حاصل ہو جائے دنیا کی کوئی طاقت اسے ایمان اور اسلام سے برگشتہ نہیں کر سکتی۔ مگر یہ درجہ اللہ کی ہدایت اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا، اسی طرح ضلالت کے بھی چار درجے ہیں۔ اس کی تفصیل انہوں نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں بیان کی ہے۔

## ۱۵۔ مسئلہ انابت:

قرآن مجید کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ توحید تب سمجھ آتا ہے جب دل میں ضد، عناد اور تعصب نہ رہے اور حق کی طرف توجہ اور میلان ہو جائے۔ اس پر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات شاہد ہیں: ﴿وما یتذکر الا من ینیب﴾ [غافر ۴۰:۱۳] یعنی اس مسئلہ توحید کو وہی مانتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں انابت ہو اور ضد نہ ہو۔ اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ ﴿ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید﴾ [ق ۵۰:۳۷] (جس کا دل ہو، اس کے لیے قرآن یا مسئلہ توحید میں نصیحت ہے یا خوب غور سے سنے یعنی انابت کرے)۔

ان معروضات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر دور میں نص قرآنی کی تفہیم کو ذہنوں سے قریب تر کرنے کے لیے مختلف پہلوؤں سے اس پر کام ہوتا رہا۔ اس نوعیت کا کام اگرچہ عرب وعجم سبھی کے لیے بہت مفید رہا، مگر اس کی بنیاد شاید مسلمانان عجم کے لیے قرآن فہمی کو آسان تر بنانے کے جذبے سے پڑی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کاوشوں کے نتائج فہم قرآن کریم کے لیے مختلف اصطلاحات کی صورت میں سامنے آتے رہے۔ جب ترجمے کا رواج ہوا تو اس نے بھی اس سلسلے میں کافی آسانیاں پیدا کیں۔ اگرچہ ترجمے کا ایک جانبی اثر یہ بھی ہوا کہ مختلف مکتب ہائے فکر نے قرآن مجید کو اپنے اپنے موقف کی تائید کے لیے پیش کرنے کی کوشش کی مگر یہ تو ہر علمی سلسلے میں ہوتا ہے۔ مولانا حسین علیؒ کا بہت زور تو اگرچہ مسئلہ توحید کی وضاحت اور ایک خاص انداز سے بدعات کی بیخ کنی پر رہا مگر قرآن فہمی کی جو اصطلاحات انہوں نے متعارف کروائیں انہوں نے علم قرآنیات میں ایک نہایت عمدہ اضافہ کیا۔ اس پہلو کو برصغیر پاک وہند کے محققین کے ہاں کچھ زیادہ توجہ نہیں مل سکی حالاں کہ راقم آثم کی رائے میں قرآن فہمی کے اہم موضوعات میں جس طرح علم تفسیر کو اہمیت دی گئی اسی طرح علم ترجمہ اور فہم نص قرآنی کے لیے متعارف ہونے والی اصطلاحات کا مطالعہ بھی یکساں اہمیت رکھتا ہے۔ ان اصطلاحات کے علاوہ مولانا حسین علیؒ نے قرآن مجید کے بعض الفاظ اور مضامین کی اصطلاحی انداز میں وضاحت کی ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ مولانا کے اسلوب تفسیر کے عنوان سے اس کا مستقل مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقالے سے محققین کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ﴿لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا. وَّ مَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ﴾

## حواشی وحوالہ جات

۱۔ حسین علی، مولانا، تحفہ ابراہیمیہ ، مقدمہ مولانا قاضی شمس الدینؒ، اشاعت اکیڈمی، محلہ قصہ خوانی، پشاور، ص ۸۔

۲۔ بیہقی، ابوبکر، تحقیق عبدالمعطي قلعجي، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، دار الكتب العلمية، ودار الريان للتراث، بيروت، والقاهرة، 1408ھ، 1988م 2:198-199۔

۳۔ The Holy Quran in Fair Western Eyes, Dr. Abdul Muoty Addalaty ماخوذ از کتاب I won Mohammad and Did not Lose Jesus)

۴۔ (Even Angles Ask) Dr. Jiffery Lang (206)

۵۔ (177-188-261) (Jute and the Arabian world) Katareena Momzen

۶۔ Dr. Pull, taken from Dr. Murad Huffmans book; (Dairy of a German Muslim) schfartsna in his book (Quraan the Christians pilot) (122)

۷۔ ماخوذ از کتاب "It is the Truth"

۸۔ (The Holy Quran from a Western view, p.28), Dr. Imdaddeen Khaleel

۹۔ نیشاپوری، حاکم، تحقیق مصطفیٰ عبدالقادر عطا، المستدرک علی الصحیحین، کتاب فضائل القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۱-۱۹۹۰، ۲/۲۲۰۔

۱۰۔ حاکم، مستدرک کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الأنبیاء ۳:۲۳۶۔

۱۱۔ طبرانی، أبو القاسم سلیمان بن أحمد، تحقیق طارق بن عوض اللہ بن محمد، عبد المحسن بن ابراہیم الحسینی 7: 183 معجم الأوسط، دار الحرمین، القاہرۃ، ۱۴۱۵، عن حذیفۃ بن الیمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرؤوا القرآن بلحون العرب واصواتھا." یہی حدیث شریف امام بیہقیؒ نے شعب الایمان اور حکیم ترمذیؒ نے نوادر الاصول میں نقل کی ہے۔

۱۲۔ سیوطی، الدر المنثور، دار الفکر، بیروت، سورۂ برائۃ ۳:۴:۱۲۹، بحوالۂ الوقف والابتداء، ابن الأنباری، تاریخ ابن عساکر۔

۱۳۔ قلقشندی، احمد بن علی، تحقیق: ویوسف علی طویل، صبح الأعشی فی صناعۃ الانشاء، دار الفکر، دمشق، الطبعۃ الأولی، ۱۹۸۷، الامور العلمیۃ ۱:۴۷۸، ۳:۱۴۹، ۱۵۵۔

۱۴۔ وقف الدیانۃ الترکی، مرکز البحوث الاسلامیۃ، المصحف الشریف المنسوب الی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، نسخۃ متحف الآثار الترکیۃ والاسلامیۃ باستانبول، دراسۃ وتحقیق الاستاذ الدکتور طیار التی قولاچ، ۲۰۰۷، المقدمۃ، الفصل الثالث، ما ھو الاملاء اللازم اتباعہ فی کتابۃ المصاحف وطباعتھا، رابعا: الجھود حول تنقیط المصاحف وتشکیلھا ۱:۷۷۔

۱۵۔ زرکلی، خیر الدین، الاعلام، دار العلم للملایین، ۲۰۰۲ء، ۳:۲۳۶۔

۱۶۔ الاعلام، ۸:۲۴۔

۱۷۔ قلقشندی، صبح الأعشی، المقصد الثانی فی الشکل، وفیہ خمس جمل، الجملۃ الاولی فی اشتقاقہ ومعناہ ۳:۱۵۵، الاعلام: ۲:۳۱۴۔

۱۸۔ دانی، عثمان بن سعید بن عثمان بن عمر ابو عمرو، (م-۴۴۴ھ)، تحقیق: محمد الصادق قمحاوی، النقط (مطبوع مع کتاب المقنع فی رسم مصاحف

الامصار)، الناشر: مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، القاہرۃ۔

۱۹۔ دانی، ابوعمرو، تحقیق د۔ عزۃ حسن، المحکم فی نقط المصاحف، دارالفکر، دمشق، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۷۔

۲۰۔ مؤسسۃ الرسالۃ۔ لبنان/ بیروت سے پہلی مرتبہ ۱۴۰۴ھ-۱۹۸۴م میں محمد عبدالکریم کاظم الراضی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

۲۱۔ فراء، ابوذکریا یحییٰ بن زیاد الدیلمی، تحقیق احمد یوسف النجاتی/ محمد علی النجار/ عبدالفتاح اسماعیل الشلبی، معانی القرآن، دارالمصریۃ للتالیف والترجمۃ، مصر، الطبعۃ الاولی۔

۲۲۔ ابوعبیدۃ، معمر بن المثنی، تحقیق محمد فواد سزگین، مجاز القرآن، مکتبۃ الخانجی، القاہرۃ۔

۲۳۔ الاعلام، ۵:۷۴۔

۲۴۔ ان کی کتاب تاویل مشکل القرآن کو اس سلسلے کی کڑی قرار دیا جاسکتا ہے۔ الاعلام ۴:۱۳۷۔

۲۵۔ ان کی ایک کتاب نقل القرآن کے نام سے تھی اور انہوں نے تفسیر طبری کا اختصار بھی لکھا۔ سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵، ۱۵، ۲۱۷، الاعلام، ۱:۱۷۱۔

۲۶۔ غالباً اس سے مراد ابوعلی حسن بن علی بن نصر بن منصور طوسی ہیں جو کردوش کے لقب سے مشہور تھے۔ کثیر الاسفار تھے اور ان کا شمار محدثین اور حفاظ میں ہوتا ہے۔

کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین، بیروت، داراحیاء، التراث العربی ۳:۲۶۴۔

۲۷۔ الوراق، ابوالفرج محمد بن اسحاق بن محمد (م-۴۳۸)، تحقیق ابراہیم رمضان، الفہرست، دارالمعرفۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۷ھ، -۱۹۹۷م، الفن الثالث فی اخبار العلماء واسماء کتبھم، ۱، ۵۸۔

۲۸۔ حاجی خلیفۃ، مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب جلبی القسطنطینی، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، مکتبۃ المثنی۔ بغداد ۲:۱۵۷۲، اسماعیل بن محمد امین البغدادی، ھدیۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین، وکالۃ المعارف الجلیلۃ فی مطبعتھا البھیۃ استانبول، ۱۹۵۱ء، ۱:۶۹۔

۲۹۔ الاعلام ۴:۴۸۔

۳۰۔ الاعلام ۷:۱۷۸۔

۳۱۔ الاعلام ۱:۸۶۔ خزانۃ الرباط، مراکش میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

۳۲۔ الاعلام ۱:۵۶ میں ۷ جلدوں پر مشتمل اس تفسیر کے قلمی نسخے کا ذکر ہے۔ اسی کو مناسبات البقاعی اور تفسیر البقاعی بھی کہا جاتا ہے۔

۳۳۔ الاعلام ۴:۲۵۷۔ مخدوم صاحب مقام مہائم داخلی حیدرآباد دکن کے رہنے والے تھے۔ آپ کی تفسیر مطبوع ہے۔

۳۴۔ الاعلام بمن فی تاریخ الھند من الاعلام المسمی ب (نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر)، (م-۱۳۴۱ھ)، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹م، ۸:۱۲۴۷۔

۳۵۔ نزہۃ الخواطر ۸:۱۱۹۸، الموسوعۃ العربیۃ العالمیۃ۔

۳۶۔ نزہۃ الخواطر ۸:۱۱۸۹، شجاع آبادی، ثناء اللہ سعد، علماء دیوبند کے آخری لمحات، عمر پبلی کیشنز، یوسف مارکیٹ، اردو بازار لاہور، ص ۴۸۔

۳۷۔ زرکلی، الاعلام، ۶:۲۹۵ (محمد علی)، نزہۃ الخواطر ۶:۸۰۴۔

۳۸۔ تعلیق، تحقیق ڈاکٹر ابوسلمان سراج الاسلام حنیف، بلغۃ الحیران فی ربط آیات القرآن، تسہیل، اشاعت اکیڈمی، عبدالغنی پلازہ، محلہ قصہ خوانی پشاور سے ستمبر ۲۰۰۸ء۔